31

اُولی الامر منکم کی اطاعت فرض ہے

(فرمودہ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۶ء)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (النسآء: ۵۹-۶۰)

کسی قوم کی تباہی اور ہلاکت عام طور پر ان اندرونی اسباب کے ذریعہ ہوتی ہے جو خود اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ بیرونی سامانوں سے قوموں کا تباہ ہونا بہت کم پایا جاتا ہے اور شاذو نادر ہی ایسا ہوا ہے۔ کہ کوئی قوم واقعہ میں طاقتور اور مضبوط ہو لیکن اس کے خلاف اس سے زیادہ طاقتور قوم زیادہ سازوسامان کے ساتھ کھڑی ہو گئی ہو اور اس نے اس کی طاقت کو توڑ دیا ہو۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے۔ کہ اسی وقت کوئی قوم تباہ و برباد ہوتی ہے جبکہ خود اس کے اندر کمزوریاں اور بدیاں پیدا ہو گئی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے اوقات میں بیرونی سامان بھی اس کی تباہی کے ممد و معاون ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ کامیاب تب ہی ہوتے ہیں۔ جبکہ اندرونی سامان اس قوم کو گھن کی طرح کھا چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ کھوکھلی اور کمزور ہو چکی ہوتی ہے اس کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے کہ ایک شخص ایک ایسے درخت کے سہارے کھڑا ہو جس کو گھن کھا چکا ہو اور وہ گر جائے۔ وہ درخت گرا

تو اس کے سہارا لینے سے ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے گرنے کا اصل باعث اس شخص کا سہارا لینا نہیں۔ بلکہ وہ گھن ہے جو اسے اندر ہی اندر کھا چکا ہے اگر اسے گھن نہ کھا چکا ہوتا تو سہارا چھوڑ اگر وہ شخص زور بھی لگاتا تو بھی نہ گرتا۔ مگر گھن کے کھا جانے کی وجہ سے محض سہارا لینے سے ہی گر گیا۔ اسی طرح لوگ چھتیں ڈالتے ہیں اور گرمی کے موسم میں ان کے اوپر جا بیٹھتے ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ تمام چھت پر آدمی ہی آدمی بیٹھے ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے بوجھ کو سہارے رہتی ہے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی کے بوجھ سے اس میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ گھن کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکی ہوتی ہے۔ اس سوراخ کے ہونے کا باعث تو اسی آدمی کا بوجھ ہوا جو چھت کے اوپر چڑھا تھا۔ مگر وہ چھت پہلے سے ہی اسی انتظار میں تھی کہ مجھ پر اس کا بوجھ پڑے۔ اور میں گروں۔ یہی حال قوموں کا ہوتا ہے۔

ہمیشہ وہی قومیں گرتی ہیں کہ جن کو اندر ہی اندر گھن کھا چکا ہوتا ہے اور باہر سے حملہ کرنے والا ان کے گرانے کا باعث بن جاتا ہے۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ فلاں قوم پر فلاں نے حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ مگر وہ نہیں جانتے۔ کہ وہ قوم پہلے سے ہی تباہ ہونے کو تیار بیٹھی تھی۔ اور اس بات کا ثبوت اس طرح بھی مل سکتا ہے۔ کہ اس قوم کا کامیابی کے زمانہ سے مقابلہ کر کے دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ جوش وہ اتحاد اور وہ سامان جو اس وقت اسے حاصل تھے وہی تباہی کے وقت بھی اس کے پاس موجود تھے یا نہیں۔ اگر ویسے ہی موجود ہوں اور پھر کوئی قوم اس پر حملہ آور ہو کر اسے تباہ و برباد کر دے تو کہا جا سکے گا کہ دوسری قوم نے اپنی زیادہ طاقت اور کثرت سامان کے ذریعہ اس پر کامیابی حاصل کر لی ہے۔ لیکن اگر تباہ ہونے والی قوم میں وہ جوش وہ قوت اور وہ اتحاد نہ ہو جو اس میں کامیابی کے زمانہ میں تھا اور اس کے پاس وہ سامان موجود نہ ہوں جن کے ذریعہ اس نے فتح حاصل کی تھی اور پھر کوئی قوم اسے مغلوب کر لے۔ تو صریح طور پر معلوم ہوگا کہ بیرونی قوم کا حملہ تو اس کی تباہی اور بربادی کے لئے ایک بہانہ ہی تھا بلکہ اس نے اپنی کمزور اور ناتوان حالت سے خود یہ جرأت اور دلیری لائی تھی کہ وہ اس پر حملہ آور ہو۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ وہ مضبوط اور طاقتور ہے تو کبھی حملہ ہی نہ کرتی۔

لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ کے وقت ایک عیسائی سلطنت
نے حضرت علیؓ پر حملہ کرنا چاہا۔ اس کو حملہ کرنے کا خیال پیدا ہونا اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو کمزور سمجھا۔ ورنہ پہلے کی نسبت نہ اس کی
طاقت بڑھ گئی تھی نہ اس کے پاس سامان زیادہ ہو گیا تھا اور نہ ہی مسلمانوں
کی سلطنت چھوٹی رہ گئی تھی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کو نااتفاقی
کا گھن کھا رہا ہے تو اس نے حملہ کرنے کا ارادہ کر دیا۔ مگر دراصل وہ گھن اسی
قسم کا تھا جو چھلکے کے اوپر ہی اوپر ہوتا ہے۔ نہ کہ اندر۔ اس لئے جب اس نے
حملہ کا ارادہ کیا۔ اور اپنے مشیروں سے مشورہ لیا۔ تو ایک نے کہا کہ آپ سمجھتے
نہیں۔ یہ مسلمانوں کی حقیقی کمزوری کی علامت نہیں۔ اگر آپ ان پر حملہ آور
ہوں گے تو ضرور شکست کھائیں گے۔ چنانچہ جب امیر معاویہؓ کو اس بات کا علم
ہوا۔ تو انہوں نے اسے کہلا بھیجا کہ ہم جو آپس میں لڑ رہے ہیں تو یہ شرعی مسائل
کے متعلق لڑتے ہیں تم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اگر تم
نے علیؓ پر حملہ کیا۔ تو ان سے صلح کر کے سب سے پہلے جو تمہارے ساتھ لڑنے کے
لئے نکلے گا وہ میں ہوں گا۔[1] اس کے بعد وہ عیسائی بادشاہ حملہ کرنے سے رُک گیا
کیونکہ اس نے دیکھ لیا۔ کہ مسلمانوں کو گھن نہیں لگا ہوا۔ لیکن اس کی حملہ کرنے کی
خیالی جرأت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے سمجھا کہ مسلمان کمزور ہو گئے
ہیں اور آپس میں جنگ و جدال کر رہے ہیں۔ تو دشمن جب کمزوری کی علامت
دیکھتا ہے تو حملہ آور ہونے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حملہ کرنے سے رُکا تو
اس لئے نہیں کہ اس کی وہ فوج جس کے بھروسے پر اس نے حملہ کرنے کا خیال
کیا تھا۔ وہ بھاگ گئی تھی۔ یا مری کے پڑنے سے ہلاک ہو گئی تھی۔ یا سامانِ
حرب تباہ ہو گیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اس نے دیکھ لیا۔ کہ مسلمانوں میں گھن نہیں
ہے تو جو قوم بیرونی دشمنوں کے حملوں سے ہلاک ہوا کرتی ہے وہ وہی ہوتی
ہے جس کے اندر کمزوری اور ناطاقتی کی علامات پائی جاتی ہیں۔ انہیں کو
دیکھ کر دشمن سمجھ لیتے ہیں کہ یہ قوم آج بھی مٹی اور کل بھی مٹی۔ مگر اس خیال
سے کہ اگر خود بخود مٹی تو اس کے کھنڈرات سے کوئی اور قوم نکل آئے گی۔ جو اس کی

---

[1] مجمع بحار الانوار جلد ا صفحہ ۲۶ زیر لفظ ارس

جگہ قابض ہو جائے گی۔ اس لئے کیوں نہ ہم ہی اس کو مٹا کر اس جگہ پر قبضہ کر لیں۔
جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ جنگل میں اگر لاوارث بکری مل جائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس پر قبضہ کر لو۔ اگر تم قبضہ نہ کرو گے تو اسے بھیڑیا کھا جائے گا[1]۔ یہی حال قوموں کا ہوتا ہے۔ جب کوئی قوم مٹنے کے بالکل قریب ہو جاتی ہے تو کوئی دوسری قوم اُٹھ کر اس کا نام دیتہ مٹا کر اپنا نام اس کی جگہ لکھ دیتی ہے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو کوئی اور قوم ہوگی جو ایسا کر لے گی۔

تو سب سے زیادہ خطرناک حملہ جو کسی قوم پر ہوتا ہے وہ اس کے اپنے اندرونی عیوب اور کمزوریاں ہی ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی تباہی اور ہلاکت کی یہی وجہ ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ دشمن ان سے طاقتور تھے۔ اس لئے انہوں نے غلبہ پالیا۔ بلکہ اصل باعث یہی ہے کہ مسلمانوں کی قوم کو اندر ہی اندر گھن لگ گیا تھا اور وہ ایک کھوکھلے تنے کی طرح ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں جو بہت چھوٹے اور ذلیل دشمن تھے وہ بھی آنکھیں دکھانے لگ گئے۔ مسلمانوں میں ایسی بدیاں اور کمزوریاں پیدا ہو گئیں کہ جن کے ذریعے دشمن نے محسوس کر لیا کہ یہ آج بھی گرے اور کل بھی۔ اس لئے انہوں نے حملے کر کر کے ان سے ملک چھیننے شروع کر دیئے۔

بظاہر تو مسلمانوں کے ممالک چھینے جانے کا باعث دشمنوں کے حملے تھے۔ لیکن دراصل اس کا سبب وہ اندرونی گھن تھا جس نے انہیں کسی کام کا نہ رہنے دیا تھا۔ چنانچہ ان گھنوں میں سے ایک گھن ایفائے عہد کا معدوم اور مفقود ہو جانا تھا۔ اس سے غدر اور بغاوت کی طرف ان کی بڑی توجہ بڑھ گئی اور خیانت اور بدعہدی کی طرف ان کے دل مائل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا اعتبار اُٹھ گیا۔ اور ان میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے ان کا آپس میں بھی ایک دوسرے پر اعتبار نہ رہا۔

جب کسی نے ایک سے دھوکہ اور بدعہدی کی تو وہ دوسرے تیسرے اور چوتھے سے بھی ضرور کر سکتا ہے اور جو ایک کے ساتھ دھوکہ کرنے سے بچتا ہے وہ دوسرے تیسرے اور چوتھے سے بھی بچتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ

---

[1] بخاری کتاب الادب باب ما یجوز من الغضب والشدۃ۔

حَیٰوۃٌ۔ کہ قاتل کے قتل کرنے میں تمہاری زندگی ہے۔ حالانکہ مرنے والا تو مر گیا۔ اب اگر اس کے قاتل کو قتل کر دیا جائے گا تو وہ تو زندہ نہیں ہو سکتا۔ پھر قصاص میں حیات کس طرح ہوئی۔ اس طرح کہ اگر آج تم ایک شخص کے قاتل کو پکڑ کر قتل نہ کرو گے۔ تو کل وہ تم میں سے کسی دوسرے کو قتل کر دے گا۔ اس لئے فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ یعنی اگر قاتل سے قصاص نہ لیا جائے گا تو وہ تم میں سے کسی اور کی زندگی کا خاتمہ کر دے گا۔ اس سے خدا تعالےٰ نے یہ سمجھایا ہے۔ کہ جو شخص ایک کام ایک جگہ کرتا ہے وہ وہی کام دوسری جگہ بھی کرے گا۔ اگر کسی نے خالد کے ہاں چوری کی ہے تو وہ بکر کے ہاں بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر اس نے خالد سے غدر کیا ہے تو وہ بکر کے ساتھ بھی کر سکتا ہے۔ پھر اگر ایک سے وفاداری کرتا ہے تو دوسرے سے بھی کر سکتا ہے۔

کیوں؟ اس لئے کہ اس قسم کے اخلاقی جرم متعدی ہوتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں۔ متعدی سے ایک تو یہ مراد ہوتی ہے کہ کوئی برائی ایک انسان سے دوسرے انسان میں سرایت کر جائے۔ لیکن یہاں متعدی سے میری مراد یہ ہے کہ جس انسان کے ایک حصہ میں اس قسم کی بیماری ہوتی ہے اس کے دوسرے حصہ میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ اپنے ہموطن لوگوں کے سوا دوسروں سے نفرت کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے ہموطنوں سے بھی نفرت کرنے لگ جائے گا۔ اور اس طرح وہ نفرت جو اس کے دل کے تھوڑے سے حصہ میں دوسرے لوگوں کے متعلق تھی وہ زیادہ پھیل جائے گی اس قسم کا انسان بہت خطرناک ہوتا ہے اس سے جہاں تک ہو سکے بچنا چاہیئے۔ اور یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس نے فلاں کو نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے تو نہیں پہنچایا۔ کیونکہ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک مکان کو آگ لگ رہی ہو اور اسکے پاس کے مکان والا کہے کہ میرے مکان کو تو آگ نہیں لگی ہوئی۔ کہ میں اس کے بجھانے کی کوشش کروں۔ ایسا کہنے والا انسان نادان اور سخت نادان ہو گا کیونکہ بہت جلدی وہ آگ اس کے مکان تک پہنچ کر اسے بھی جلا کر خاک سیاہ کر دیگی اسی طرح اگر کوئی شخص ایک سے غداری کرتا ہے تو دوسرے کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر اسے موقعہ ملا۔ تو مجھ سے بھی ضرور کرے گا۔

بنی اسرائیل کو دیکھو۔ پہلے اس نے حکومت وقت سے غدر کیا۔ اور بادشاہوں کے

مقابلہ پر کھڑی ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خدا کے مقابلہ پر بھی آمادہ ہو گئی۔
یہ مرض اس وقت مسلمانوں میں بھی بہت پایا جاتا ہے۔ اور یہی ان کی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہو رہا ہے۔ وہ اپنے پاس سے مسائل گھڑ گھڑ کر گناہوں کو جائز کر لیتے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں کہ فلاں موقعہ پر جھوٹ بول لینا جائز ہو جاتا ہے۔ فلاں موقعہ پر دغا و کرنا گناہ نہیں ہوتا۔ فلاں موقعہ پر بدعہدی جائز ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان میں جھوٹ۔ فریب۔ دغا اور غدر کی کوئی حد نہیں رہی۔ اور وہ اپنے خیال میں ایسی باتوں کو جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بدی کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی ہے جھوٹ بہرحال جھوٹ ہی ہے۔ خواہ کسی وقت بولا جائے۔ اسی طرح غدر بہرحال غدر ہی ہے خواہ کسی موقعہ پر کیا جائے۔ خیانت ہر وقت خیانت ہی ہے خواہ کوئی کرے اس میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ لیکن اب جا کر مسلمانوں سے پوچھو۔ یہی کہیں گے کہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے دغا فریب کرنا جائز ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ امرتسر میں اہلحدیث میں سے ایک شخص تھا اس کو میں نے ایک چونّی دی کہ دو آنے کی فلاں چیز لے آؤ اور دو آنے واپس لے آنا۔ جب وہ واپس آیا۔ تو دو آنے کی وہ چیز بھی لے آیا اور چھ آنے بھی لا دیئے۔ میں نے کہا۔ یہ کیا۔ چھ آنے کس طرح لے آئے؟ اس نے کہا۔ میں نے ایک ہندو سے یہ چیز خریدی ہے۔ اور اسی سے یہ پیسے بھی لے آیا ہوں۔ آپ لے لیجئے۔ حضرت مولوی صاحب نے کہا۔ اس نے کس طرح تم کو چھ آنے دے دیئے۔ کہنے لگا میں اس سے خود لایا ہوں وہ کہاں دیتا تھا۔ اس طرح کیا کہ جب میں نے اس سے یہ چیز لے لی اور چونّی دے دی تو اس سے ایک ایسی چیز مانگی جو اس نے اندر رکھی ہوئی تھی وہ چونّی کو صندوقچی کے اوپر ہی رکھ کر اس کے لینے کے لئے اندر گیا۔ اس کے اندر جانے پر میں نے چونّی اٹھا لی۔ جب وہ چیز لے کر واپس آیا تو میں نے ناپسند کر دی اور نہ خریدی اس نے سمجھا کہ میں نے جو چونّی لی تھی۔ وہ صندوقچی میں ڈال لی تھی۔ اس لئے اس نے دوانّی نکال کر مجھے دے دی۔ اور میں لے کر چلا آیا۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے۔ میں نے اس سے کہا یہ کیا؟ یہ تو فریب اور دھوکہ ہے۔ کہنے لگا۔ دوکاندار کافر تھا اور کافروں سے ایسا کر لینا جائز ہے۔ تو اسی قسم کے خیالات نے مسلمانوں کو دوسروں سے ناجائز افعال کرنے پر آمادہ کر دیا۔ لیکن اب جا کر دیکھ لو۔ کیا ایسے مسلمان نہیں ہیں جو مسلمانوں سے ہی دغا اور فریب کرتے ہیں۔ پہلے انہوں نے

یہ سمجھا کہ کافروں سے ایسا کر لینا جائز ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے ایسا ہی کرنے لگ گئے۔ کیونکہ ان کی ابتداء ہی غلط اور بیہودہ تھی اور جب کوئی ایک سے فریب کرے گا تو دوسرے سے بھی کرے گا۔ اور پھر وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ اس سے مجھے کوئی تعلق اور واسطہ ہے یا نہیں۔ بلکہ جہاں وہ عمدہ موقعہ پائیگا، وہیں اپنی عادت کو کام میں لے آئے گا۔

میں جب کشمیر گیا۔ تو وہاں ایک غالیچہ باف کو غالیچے بننے کے لئے کہا گیا۔ اور قیمت پیشگی دے دی۔ غالیچہ کا طول و عرض سب اس کو بتا دیا گیا۔ ہم آگے چلے گئے جب واپس آکر اس سے غالیچے مانگے تو اس نے لپیٹے ہوئے ہمارے ہاتھ میں دیدیئے اور کہنے لگا کہ اسی طرح بند کے بند ہی لے جاؤ۔ کھولو نہیں۔ لیکن اس کے بار بار اس بات پر زور دینے سے ہمیں خیال ہوا کہ کوئی بات ہی ہے جب یہ کہتا ہے کہ بند کے بند ہی لے جاؤ۔ اس لئے کھول کر دیکھنے چاہئیں۔ جب کھولے اور ناپے تو معلوم ہوا کہ ایک ایک بالشت طول میں اور ایک ایک چپہ عرض میں کم تھے۔ ہم نے اسے کہا۔ یہ تم نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگا۔ جی ہم مسلمان ہوتے ہیں۔ میں اسے کہوں کہ اسلام میں تو ایسا کرنا ناجائز ہے۔ پھر تم نے مسلمان ہو کر کیوں ایسا کیا۔ اس کا وہ یہی جواب دیتا رہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس کہنے سے اس کا یہ مطلب تھا کہ اگر ہم مسلمان لوگ ایسا نہ کریں تو ہمارا گزارہ نہیں ہوتا۔ تو اب مسلمانوں میں ہر ایک سے دھوکہ فریب دغا کرنے کی عادت ہی ہو گئی۔ جب انہوں نے دوسروں سے غدر کرنا سیکھا تو اب اپنوں پر بھی اس کو استعمال کرنے لگ گئے۔ اس طرح ان کا نہ آپس میں اعتبار بھروسہ اور اطمینان رہا۔ اور نہ دوسروں کے نزدیک۔ اور ان اخلاقی جرموں کی پاداشں میں ان کی حالت اس قدر ذلت اور رسوائی کو پہنچ گئی۔ کہ اب کشمیر کی تجارت پہلے کی نسبت سینکڑوں گنا کم ہو گئی ہے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو یہ بتائی گئی کہ یہاں کے لوگ ناقص مال بنا کر بھیجتے تھے۔ جس کا آہستہ آہستہ یہ انجام ہوا کہ لینے والوں نے مال کا لینا ترک کر دیا۔ اور جب مال نہ بکا۔ تو بنانے والوں نے بھی اس کام کو چھوڑ کر اور کام اختیار کر لیئے۔ اور اس طرح تجارت کو زوال آگیا۔

تو غدر۔ بے وفائی۔ بد عہدی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ جب کوئی قوم ان بُرے کاموں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو دوسرے ہر وقت اس کی طرف سے چوکس

اور ہوشیار رہتے ہیں۔ اور اس پر کبھی اعتبار اور بھروسہ نہیں کرتے اس لئے وہ قوم گرجاتی ہے اور دن بدن زیادہ ہی زیادہ گرتی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی تجارتیں۔ حکومتیں عزتیں سب انہی باتوں کی وجہ سے ضائع ہوگئیں اور وہ ذلت اور رسوائی کی آخری حد کو پہنچ گئے لیکن ان کے خیال سے یہ بات ابھی تک نہیں گئی کہ کافروں سے غداری بدعہدی اور فریب وغیرہ جائز نہیں۔

اس زمانہ میں مسلمان بظاہر سارے کے سارے اپنے آپ کو گورنمنٹ کے بڑے وفادار اور ہمدرد ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن انہیں اندر سے دیکھو تو چپکے چپکے یہ پھیلا رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو تو اولی الامر منکم کی اطاعت کا حکم ہے نہ کہ دوسرے جو آکر حاکم بن جائیں ان کی اطاعت کا بھی۔ یہاں میرے پاس ایک معزز غیر احمدی آیا۔ بڑی ثقہ صورت بنا کر کہنے لگا۔ مجھے آپ سے چند مسائل دریافت کرنے ہیں میں نے کہا کیجئے۔ اس نے قرآن کریم سے چند ایک جہاد کے متعلق آیتیں پڑھیں۔ اور کہنے لگا ان میں تو جہاد کا حکم ہے۔ اب کیا ہم مسلمانوں پر نفاق کا فتویٰ تو نہیں عاید ہو رہا میں نے سمجھا۔ کہ یہ میرا عندیہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے خوب کھول کھول کر بتایا۔ ایسے لوگ چونکہ ایمانی قوت نہیں رکھتے اس لئے بات اس رنگ میں کرتے ہیں اگر مشکل پیش آجائے تو پہلو بدل سکیں۔ اسی طرح اس نے کیا۔ اگر وہ یہ سوال کرتا۔ کہ ان آیتوں میں جہاد کا حکم ہے پھر مسلمان جہاد کیوں نہیں کرتے انہیں جہاد کرنا چاہیئے تو پہلو بچانے کا اسے کوئی راستہ نہ تھا۔ لیکن اس نے اس سوال کو اس طریق سے کیا کہ یہ جو جہاد کے متعلق آیات ہیں۔ ان کے کیا معنی ہیں اور اگر ان کے یہ معنے ہیں تو کیا ان کے خلاف کرنے والوں پر نفاق کا فتویٰ تو نہیں لگتا۔ میں نے اسے ان آیتوں کے معنے سمجھائے۔ سُنکر کہنے لگا۔ ہاں آپ کے کئے ہوئے معنی مجھے بہت پسند آئے ہیں پہلے میں کچھ اور معنے سمجھے ہوئے تھا۔ تو عام مسلمانوں کا مذہب اور عقیدہ یہی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو مسلمان حکمران کی اطاعت کا ہی حکم دیا ہے نہ کہ غیر مسلم سلطنت کا بھی۔ مگر ان سے پوچھو۔ کہ مسلمانوں نے مسلمان حکمرانوں کی کہاں اطاعت اور فرمانبرداری کی ہے۔ تم پر چونکہ مسلمان حکمران نہیں اس لئے تم کہتے ہو۔ کہ مسلمان حکمران کی اطاعت کرنی چاہیئے نہ کہ کسی اور کی۔ لیکن یہ تو بتلاؤ کہ ترک کمبخت کیا کر رہے ہیں ان کے چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک تمام افسر ایسے ہی ہیں کہ جنہوں نے قوم در ملک

کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ وہ قوم قوم پکارتے ہیں لیکن جس قدر ان کے ہاتھوں قوم کی مٹی پلید ہو رہی ہے اس قدر کسی اور نے بھی نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ جب تک انسان پر کوئی بات آ نہیں پڑتی۔ اس وقت تک جو اس کا جی چاہے دعویٰ کر لے لیکن جب آ پڑتی ہے تو سب دعووں کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی عملی زندگی مبتلا رہی ہے کہ ان کے اخلاق بگڑ چکے اور جھوٹ۔ دغا۔ فریب اور بد عہدی کے جراثیم ان میں سرایت کر چکے ہیں۔ وہ غلط کہتے ہیں کہ ہم دوسروں کی اطاعت نہیں کرتے اگر مسلمان حکمران ہوں تو ان کی کریں۔ یہ کسی کی بھی اطاعت نہیں کریں گے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ کی بھی حکومت ہوتی اور یہی آجکل کے مسلمان ہوتے تو ان سے بھی بغاوت اور بد عہدی ہی کرتے۔ خواہ کوئی حکمران ہوتا یہ کسی کی بھی اطاعت اور فرمانبرداری نہ کرتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان میں امانت۔ دیانت۔ وفاداری اور اطاعت کا مادہ ہی نہیں رہا۔ اگر ان میں یہ مادہ ہوتا اور یہ سچّے دل سے مسلمان بادشاہوں کے وفادار اور اطاعت شعار ہوتے تو ترکوں میں ایک سے ایک بڑھ کر غداری کرنے والے اور اپنے ملک اور قوم کو تباہ و برباد کرنے والے دکھائی نہ دیتے۔ بلغاریہ سے جب ترکوں کی لڑائی ہوئی تو ترکوں کے بڑے بڑے افسروں نے ترکوں کو بجائے گولہ بارود پہنچانے کے لکڑی کے بنے ہوئے کارتوس پہنچائے۔ پھر دشمن حملہ آور ہو رہا ہے۔ سپاہ لڑ رہی ہے اور کئی دنوں سے لڑ رہی ہے لیکن ذمہ دار افسر اُن کے لئے کھانا نہیں بھیجتے۔ سپاہیوں کی بھوک سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ بندوقیں ہاتھوں سے گر گر جاتی ہیں۔ بھوک کے مارے ان سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ لیکن اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور نہایت بیدردی سے دشمن کے ہاتھ سے بھوکی اور پیاسی سپاہ کو ہلاک اور تباہ کروا دیا جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان میں غداری اور بے وفائی دخل پا چکی تھی۔ خیانت اور بد دیانتی انکی عادت ہو چکی تھی۔ اب ان مسلمانوں کو دیکھو جو عیسائی سلطنتوں کے ماتحت ہیں۔ ان کے وہ اخلاق مٹ چکے ہیں جو ایک مومن کی شان کے شایاں ہیں۔ ان میں طرح طرح کی خرابیاں اور کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں۔ پس اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ چونکہ ایک غیر قوم حکمران ہے اس لئے ہم اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ تو یہ ان کا محض بہانہ ہے اگر ان کو کسی ایسے مسلمان بادشاہ کے ماتحت بھی کر دیا جائے جو بڑا ہی نیک اور عادل

ہو۔ توبھی وہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بالائے طاق رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی عذر گھڑ ہی لیں گے۔

ان کے لئے کفر کا فتویٰ لگانا کوئی مشکل بات نہیں بلکہ بہت معمولی ہے۔ بادشاہ سے غداری کرنے کے لئے کئی بہانے بنا سکتے تھے۔ اگر اس نے آمین اونچی کہی یا ناف کے نیچے ہاتھ باندھے تو بڑی آسانی سے اس پر یہ فتویٰ لگ جائے گا کہ یہ منکم میں رہا ہی نہیں۔ ہندوستان میں ایک مولوی صاحب ہیں وہ اس طرح فتویٰ دیا کرتے ہیں کہ فلاں نے فلاں بات ایسی کی ہے جو حدیث کے خلاف ہے اور جب حدیث کے خلاف ہے تو قرآن کے خلاف ہوئی اور جب قرآن کے خلاف ہوئی تو خدا تعالےٰ کے خلاف ہوئی اس لئے یہ شخص کافر ہوا۔ اور جب کافر ہوا تو اس کی بیوی بیوی نہ رہی مومن اور کافر کا نکاح نہیں رہ سکتا۔ اس لئے نکاح فسخ ہو گیا۔ اور جب نکاح فسخ ہو گیا۔ تو جو اس کی اولاد ہوئی۔ وہ ولدالزنا ہوئی۔ ایسے مولویوں کے ہوتے ہوئے کوئی بھی بادشاہ ہو اس پر کفر کا فتویٰ لگانا کونسا مشکل ہے اور جب اس پہ کفر کا فتویٰ لگ گیا۔ تو وہ منکم میں سے ہی نہ رہا۔ اور جب مِنْكُمْ میں سے نہ رہا تو اس کی اطاعت بھی جائز نہ رہی۔

دراصل یہ ایک گند ہے اور غداری کا اصل باعث یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایمان نہیں رہا۔ ایسے ہی یہ لوگ فتویٰ دیتے ہیں کہ عیسائی ہم میں سے نہیں ہیں اس لئے ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار سے معاہدے کئے اور بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود ان کو پورا کیا۔ اگر کفار سے عہد کر کے پورا کرنا جائز نہیں۔ اگر کفار سے بدعہدی اور عہدشکنی کرنا روا ہے تو پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں ایفائے عہد کئے۔ اور کیوں نہ آپ نے ان عہدوں کو کالعدم قرار دے دیا۔

لیکن یہ غلط ہے اور بالکل غلط ہے کہ کفّار سے بدعہدی کرنا جائز ہے۔ اسے جائز قرار دینے والوں کی طرف سے سب سے بڑی دلیل جو پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو میں نے پڑھی ہے لفظ اُولی الْاَمْرِ مِنْكُمْ آیا ہے۔ پھر مِنْكُمْ کے سوا اور کسی کی اطاعت کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ ہم کہتے ہیں صرف یہی آیت اس بات کے لئے بطور دلیل کے پیش نہیں کی جاتی کہ مسلمانوں کو کسی غیر قوم کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے بلکہ اور بھی دلائل ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ

فرماتا ہے۔ قَاتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (البقرۃ: ۱۹۱) کہ اللہ کی راہ میں تمہارا جھگڑا انہیں لوگوں سے ہونا چاہیئے جو تم سے لڑتے ہوں اور وہ جو تمہارے امن کا باعث ہوں بجائے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں بلکہ سکھ کا موجب ہوں۔ تمہارے مال و اموال کی حفاظت کریں۔ ان سے کسی طرح جنگ نہیں کرنا چاہیئے تو قتال کا حکم انہیں سے ہے جو تم سے لڑیں اور جو لڑائی نہیں کرتے بلکہ آرام و آسائش کا باعث بنتے ہیں اور ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے قتال جائز نہیں۔

دیکھو طاعون پڑتی ہے تو یہ گورنمنٹ اس کے دور کرنے کی کتنی کوشش کرتی ہے یہ اور بات ہے کہ طاعون چونکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک عذاب ہے۔ اس لئے اس کے دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی لیکن اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ نے اس کے انسداد کی کم کوشش نہیں کی۔ کتنے ہی ڈاکٹر صرف اس کام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علوم اور فنون کے پھیلانے میں گورنمنٹ نے خاص کوشش کی ہے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ ایسا کرنا گورنمنٹ کا فرض تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی سلطنت کے آخری زمانہ میں کیا مسلمان بادشاہوں کو ایسے فرائض معاف ہو گئے تھے۔ وہ رعایا سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ لیکن رعایا کے لئے کیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں۔ ابتدائی بادشاہ رعایا کے آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں آنے والوں کی حالت کو دیکھو اور اس زمانہ سے ان کا مقابلہ کرو۔ اس وقت ہزاروں قسم کے علوم سکھائے جاتے ہیں۔ پھر علم اس قدر مٹ چکا تھا کہ اگر گورنمنٹ چاہتی تو ایک مدرسہ بھی نہ کھولتی۔ اور آج لوگ اسی طرح جاہل اور بے علم ہوتے جس طرح ہو چکے تھے۔ مسجدوں میں کنز اور قدوری بیٹھے پڑھتے ہوتے کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ امریکہ بھی کچھ ہے اور یہ کوئی جانتا ہی نہ کہ کوہ قاف کس کو کہتے ہیں اس کی کسی کو خبر ہی نہ ہوتی کہ زمین گول ہے یا چپٹی۔ لیکن گورنمنٹ نے لاکھوں روپے خرچ کر کے جاہلوں کو عالم بنایا۔ تعلیمی مصارف کا اندازہ لگانے کے لئے یہی دیکھ لو کہ ایک دفعہ تاجپوشی کے موقعہ پر پچاس لاکھ روپیہ اس غرض کے لئے دیا گیا۔

یہ درست ہے کہ ایسا کرنا گورنمنٹ کا فرض ہے لیکن اپنے فرائض کو سمجھنا اور پھر ادا کرنا بھی ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ اور جو اپنے فرض پوری طرح ادا کرتا ہے وہ کوئی کم شکریہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ایک داروغہ مال کو دیانتداری کے ساتھ تقسیم کرتا ہے تو وہ بھی اتنے ہی ثواب کا مستحق ہو

ہے جتنے کا مال دینے والا۔ دیکھو کتنے ایسے انسان ہیں جو اپنے کام کے عوض معقول تنخواہیں لیتے ہیں مگر جب تک کچھ لے نہ لیں اپنے فرض کو ادا نہیں کرتے۔

بے شک گورنمنٹ کا فرض منصبی ہے کہ رعایا کے آرام کا خیال رکھے۔ اسے علم سے بہرہ ور کرے۔ لیکن اگر اس میں (خدانخواستہ) اصلاح اور نیکی نہ ہوتی تو وہ کر سکتی تھی کہ مسلمانوں کو جاہل اور بے علم ہی رہنے دیتی۔ اسی ہندوستان میں ترگیز ولی کا علاقہ ہے وہاں کے لوگوں کو انہوں نے تلوار کے ذریعہ عیسائی کر لیا۔ وہاں اب تک کئی مسجدیں موجود ہیں۔ لیکن کوئی انہیں کھول نہیں سکتا۔ اب بعض بعض جگہ کھلوائی گئی ہیں۔ اور وہ بھی گورنمنٹ انگریزی کے طفیل۔ کیا یہ گورنمنٹ اس طرح نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہوتا۔ لیکن کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ جن کی طبیعتوں میں شر اور فساد ہوتا ہے وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور نیکی اور حسن سلوک وہی کرتے ہیں۔ جو نیکی کو پسند کرتے اور فطرت نیک رکھتے ہیں ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اس خیال سے نیکی کرتے ہیں کہ اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ یا برائی سے اس لئے بچتے ہیں۔ کہ اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ بلکہ جیسی ان کی طبیعت ہوتی ہے ویسا ہی کام کرتے ہیں۔ گورنمنٹ جو احسان اور نیکی کرتی ہے تو اس لئے کہ اس کی طبیعت کا رجحان ہی نیکی کی طرف ہے اگر اس کا میلان برائی کی طرف ہوتا تو یہ بھی اسی طرح کرتی۔ جس طرح اور باوجود اس بات کے جاننے کے کہ برائی کا نتیجہ برا ہوا کرتا ہے کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کے پاس اس طرح کرنے کے لئے سب کچھ تھا۔ مگر اس نے نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھلائی اور نیکی کرنے کی طرف فطرتاً مائل ہے۔ اگر گورنمنٹ تجربتہً ہی ایسا کرتی کہ کسی گاؤں یا شہر کی طرف توپ کا منہ کر کے کہتی کہ تم سب کے سب عیسائی ہو جاؤ۔ ورنہ توپ سے اڑا دیئے جاؤ گے تو تمام کے تمام یہی کہتے کہ ہم تو پہلے ہی عیسائی ہونے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ سو ہم عیسائی ہو جاتے ہیں مسلمانوں کے پاس ہے ہی کیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس گورنمنٹ کو ایسی صلاحیت بخشی ہے کہ اس کی شان ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔

ہم جو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں تو دلیل میں یہی آیت پیش نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی قوم اور کسی مذہب کے لوگ حکمران ہوں ان سے غداری کرنا جائز نہیں۔ آجکل سورۃ توبہ جو میرے درس میں ہے اس میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو فرماتا ہے کہ جن لوگوں سے تم نے عہد کیا ہے۔

اس عہد کو پورا کرو۔ فرمایا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ (التوبہ: ۴) مشرکین میں سے وہ لوگ، کہ جن کے ساتھ تم نے عہد باندھا۔ پھر انہوں نے اس عہد کو نہ توڑا۔ اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی۔ پس تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے عہد کو پورا کرو۔ ان کی مدت تک۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عہد کے پورا کرنے والوں کو متقی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسا کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ یعنی اگر کوئی ایسا نہ کرے تو خدا اس سے محبت نہیں کرے گا۔ اور خدا تعالیٰ جو مسلمانوں سے محبت کرتا اور ہر موقعہ پر ان کی تائید اور نصرت کرتا ہے تو اسی لئے کہ وہ غداری سے بچتے ہیں۔ اگر وہ اس سے نہ بچیں اور نقض عہد کریں تو خدا کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ؎

غیروں سے اب لڑائی کے معنی ہی کیا ہوئے
تم خود ہی غیر بن کے محلِ سزا ہوئے

جب تم نے اپنے دل سے ہی خدا کو نکال دیا۔ تو اس نے بھی منصب چھوڑ دیا۔ تو اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ والی آیت کے علاوہ اور جگہ بھی قرآن کریم میں بار بار یہی تاکید کی گئی ہے کہ ہر قسم کی غداری سے بچو۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے مومنین کی نشانی یہی بتائی ہے۔ کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (المؤمنون: ۹) کہ وہ اپنی امانتوں اور عہدوں کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔ تو مومن بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ اپنے عہدوں کو پورا کرے۔ کوئی کہے کہ مومن کے لئے کافر کا عہد پورا کرنا ضروری نہیں۔ میں کہتا ہوں تم مومن ہی تب بنو گے جبکہ ہر ایک عہد کو پورا کرو گے۔ پھر اس کے کیا معنے ہوئے کہ مومن کے لئے کافر کا عہد پورا کرنا ضروری ہی نہیں۔ بلکہ اس وقت تک کوئی مومن ہی نہیں کہلا سکتا جب تک کہ عہد کو پورا نہ کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہود کہتے ہیں لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ (آل عمران: ۷۶) کہ یہ مسلمان اُمی ہیں ان کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے خواہ ہم ان کے مال چھین لیں۔ ان سے بد عہدی کریں ان سے خیانت کریں۔ ان کا سب کچھ ہمارے لئے جائز اور روا ہے۔ لیکن آج مسلمان بھی جن کی نسبت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہودی ہو جائیں گے[1]۔ یہودیوں

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الانذار والتحذیر باب تغیر الناس۔

کی طرح کہتے ہیں کہ ہم پر بھی کسی کا حق نہیں ہے۔ کہ اس سے عہد کو پورا کریں۔
جو کوئی اس گورنمنٹ کے ملک میں رہتا ہے وہ گویا اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کروں گا۔ پس جب تک وہ اس کے ماتحت ہے اس کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے۔ اور اپنے اس عہد کو پورا کرے۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مجھ پر ظلم ہوتا ہے۔ مجھ سے انصاف نہیں کیا جاتا۔ تو اسے چاہیئے کہ اس حکومت سے نکل جائے۔ ہم ایسے شریر اور مفسد لوگوں کو جو گورنمنٹ کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلاتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تمہارے نزدیک گورنمنٹ ظالم ہے تو اس کے ملک کو چھوڑ دو۔ اور پھر جو تمہارا جی چاہے کرو۔ لیکن چونکہ ایسے لوگ فریبی اور دغاباز ہیں اس لئے وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ اور یونہی جھوٹ پھیلاتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی نصرت اور تائید ان کے ساتھ نہیں ہے اور یہ دن بدن ذلیل اور رسوا ہو رہے ہیں۔
غرض اس آیت کو اگر نہ بھی لیا جائے تو بھی کفار سے امانتوں اور عہدوں کی پابندی کرنے کا حکم موجود ہے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم موجود ہے آپ فرماتے ہیں کہ کافر سے بھی بدعہدی کرنے کا حکم نہیں ہے۔
صلح حدیبیہ میں کفار سے ایک یہ بھی شرط ہوئی تھی کہ اگر تمہارا آدمی ہم میں آ ملے تو ہم اُسے تمھیں واپس لوٹا دیں گے۔ اور اگر ہمارا آدمی تم میں جا ملے تو تم اسے اپنے پاس رکھ سکو گے۔ عہد میں یہ شرط لکھی جا چکی تھی اور ابھی دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ایک شخص ابو جندل نام جسے لوہے کی زنجیروں سے جکڑ کر رکھا جاتا اور جو بہت کچھ دکھ اُٹھا چکا تھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آکر اپنی حالت زار بیان کی۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔ یہ لوگ میرے مسلمان ہونے کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف دیتے ہیں صحابہ نے بھی کہا۔ یا رسول اللہ اسے ساتھ لے چلنا چاہیئے۔ یہ کفار کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھا چکا ہے لیکن اس کے باپ نے آکر کہا کہ اگر آپ اسے اپنے ساتھ لے جائینگے تو یہ غداری ہو گی۔ صحابہ نے کہا کہ ابھی عہد نامہ پر دستخط نہیں ہوئے اس نے کہا لکھا تو جا چکا ہے دستخط نہیں ہوئے تو کیا ہوا۔ اس پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے واپس کر دو۔ ہم عہد نامہ کی رُو سے اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔ صحابہ اس بات پر بہت تلملائے۔ لیکن آپ نے اُسے واپس ہی کر دیا۔ اور وہ

اُسے لے گئے لیکن جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے۔ تو پھر وہ چھٹ کر آپ کے پاس چلا آیا۔ اس کے پیچھے ہی دو آدمی اس کے لینے کے لئے آگئے۔ انہوں نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ نے عہد کیا ہوا ہے کہ ہمارے آدمی کو آپ واپس کردیں گے۔ آپ نے کہا کہ ہاں عہد ہے اسے لے جاؤ۔ اس نے کہا۔ یارسول اللہ! یہ لوگ مجھے بہت دکھ دیتے اور تنگ کرتے ہیں۔ آپ مجھے ان کے ساتھ نہ بھیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں غداری نہ کروں۔ اس لئے تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ وہ چلا گیا اور راستے میں جاکر ایک کو قتل کرکے پھر بھاگ آیا اور آکر کہا کہ یارسول اللہ! آپ کا ان سے جو عہد تھا وہ تو آپ نے پورا کردیا۔ لیکن میرا تو ان سے عہد نہ تھا کہ میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔ اس لئے میں پھر آگیا ہوں۔ دوسرا شخص پھر اس کے لینے کے لئے آگیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔ آپ نے پھر اسے بھیج دیا۔ لیکن وہ اکیلا آدمی اسے نہ لے جاسکا۔ اس لئے وہ رہ گیا مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہی کہا کہ میں جو عہد کرچکا ہوں اس کے خلاف نہیں کروں گا۔[1] تو آپ نے باوجود کافروں سے عہد کرنے کے اور ایک مسلمان کے سخت مصیبت میں مبتلا ہونے کے اُسے پورا کیا۔

انگریز اگر کافر ہیں تو وہ مشرک تھے جن کی بیٹیاں لینی بھی جائز نہیں لیکن عیسائیوں کے متعلق تو خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ (المائدۃ: ۸۳) یہ مودّت میں تمہارے بہت قریب ہیں پس جب مشرکین سے جو نہ قیامت کے قائل ہیں نہ کوئی کتاب رکھتے ہیں اور نہ کسی نبی کو مانتے ہیں ان سے کئے ہوئے عہد کو توڑنا جائز نہیں تو اُن سے کئے ہوئے عہد کو توڑنا کیونکر جائز اور روا ہوسکتا ہے جو اہل کتاب ہیں اگر کوئی کہے کہ میں نے تو کسی کوئی عہد نہیں کیا ہوں کہا ہوں۔ گورنمنٹ اسے اپنی رعایا سمجھ کر بہت سے فوائد پہنچاتی ہے۔ اگر وہ اس کی رعایا نہ ہو تو کبھی اس سے ایسا سلوک نہ کرے اور پھر وہ اپنے آپ کو رعایا ظاہر بھی کرتا ہے اس طرح گویا وہ اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں گورنمنٹ کی اطاعت اور فرمانبرداری کروں گا۔ ہاں اگر کوئی یہ اعلان کردے کہ میں گورنمنٹ کی رعایا نہیں

---

[1] بخاری کتاب الشروط۔

تو پھر اور بات ہے۔ لیکن جو اپنے آپ کو رعایا ظاہر کرتے ہوئے اس عہد کو توڑتا ہے وہ غداری کرتا ہے۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمان ایک عیسائی حکومت[1] کے ماتحت جا کر رہے ہیں۔ اگر کافر کے ماتحت رہنا جائز نہ ہوتا اور اس کی اطاعت فرض نہ ہوتی۔ تو مسلمان وہاں کیوں رہتے۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مذہب حکومت کی اطاعت کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔

اب میں اس آیت کو لیتا ہوں۔ اس سے بھی ان مفسد لوگوں کی بات نہیں بنتی خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ اگر یہاں أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ کے وہی معنے لئے جائیں جو یہ لوگ کرتے ہیں تو قرآن کریم کی دوسری آیات کے معنی کرنے میں بڑی مشکل پیش آئے گی۔ سورۂ زمر میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب قیامت کے دن کفار دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو دوزخ کا داروغہ انہیں کہے گا کہ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ (زمر-۷۲) اگر أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ کے یہی معنی ہیں کہ مسلمانوں میں سے ہی أُولِي الْأَمْرِ ہونا چاہیئے نہ کہ کوئی اور۔ تو یہاں یہ معنے کرنے پڑیں گے کہ کفار کو کہا جائے گا کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی یعنی کافر رسول نہیں بھیجے گئے تھے۔ اور اس طرح یہ ماننا پڑے گا۔ کہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ وغیرہ انبیاء کافر تھے۔ لیکن کیا کوئی عقلمند یہ معنے کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ جو کسی کی طرف بھیجا جائے اسے بھی منکم کہتے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ صرف ہم مذہب ہی کو منکم کہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنی کئے جائیں۔ تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ نبی کفار کے ہم مذہب تھے۔ کیونکہ کافروں کو مخاطب کر کے نبیوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ منکم تھے۔ لیکن یہ معنی کوئی نہیں کرتا۔ پھر ادھر قرآن کریم غداری اور بیوفائی سے بڑے زور کے ساتھ روکتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ منکم سے مراد یہ نہیں کہ مسلمان ہی أُولِي الْأَمْرِ ہو۔

اب اگر کوئی کہے کہ یہاں منکم سے مراد ہم قوم ہے اور چونکہ وہ نبی جن کی طرف آتے رہے ان کے ہم قوم تھے۔ اس لئے ان کی نسبت منکم کا لفظ استعمال کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہرحال یہ تو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ منکم کے معنے ہم مذہب ہی نہیں

---

[1] حبشہ کی حکومت (ناقل)

ہوتے۔ بلکہ اور معنی بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر اس آیت میں تو ہم قوم کے معنی بھی چسپاں نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان معنوں کی تردید تو خود مسلمان ہی کر رہے ہیں کیونکہ شریف مکہ کے آزاد ہونے پر کہتے ہیں کہ اس نے بغاوت اور سرکشی کی ہے اگر منکم سے مراد ہم قوم لئے جائیں تو شریف پر کسی طرح بھی کوئی الزام نہیں کیونکہ وہ قریشی النسب ہیں اسلئے اُنکے لئے یہ جائز ہی نہیں تھا کہ ترکوں کے ماتحت جو ایک غیر قوم ہے رہتے انہوں نے جو کچھ کیا ہے بالکل جائز اور درست کیا ہے۔ پھر ان معنوں کے لحاظ سے بھی ماننا پڑے گا کہ مدینہ والوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی جائز نہ تھی۔ کیونکہ آپؐ ان کے ہم قوم نہ تھے مگر یہ کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ اس لئے یہ بات بھی ردّ ہو گئی کہ ہم قوم ہی اولی الامر ہو۔ تو اس کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اگر ایسا ہو تو چاہیئے کہ مغل مغل کی اطاعت کریں۔ راجپوت راجپوت کی۔ اسی طرح تمام قومیں اپنی اپنی قوم کے حاکم کی اور اگر اپنی قوم کا حاکم نہ ہو تو پھر وہ بغاوت کر دیں پھر ہر قوم میں کئی ذاتیں ہوتی ہیں۔ ہر ایک ذات والا کہے کہ میں تو اپنی ہی ذات کے حاکم کی اطاعت کروں گا۔ دوسرے کی کرنا میرا فرض نہیں اور نہ ہی جائز ہے اس طرح تو کوئی حکومت دنیا میں رہ ہی نہیں سکتی اور نہ کوئی حکمران حکومت کر سکتا ہے اس لئے منکم کے معنے ہم قوم بھی نہ ہو سکے۔

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر منکم کے معنے کیا ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ منکم کے معنے اس جگہ تم پر کے ہیں اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان حُکّام کی اطاعت کرو جو تم پر حاکم ہیں۔ اور جس طرح رُسُلٌ مِّنکُمْ والی آیت میں منکم کا ترجمہ نہ تو ہم مذہب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہم قوم۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اور آپ ساری دنیا کے ہم قوم نہیں کہلا سکتے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی یہ ترجمہ جائز نہیں بلکہ اس جگہ اور ترجمہ کرنا پڑے گا جو قرآن کریم کے دوسرے احکام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ اور وہ یہی ترجمہ ہے کہ ان حکّام کی اطاعت کرو جو تم پر حاکم ہیں۔ اور لغت ان معنوں کی تائید کرتی ہے۔ اور مِنْ کے معنے عربی زبان میں کبھی فِیْ اور کبھی عَلٰی کے بھی آتے ہیں۔ پس مِنْکُمْ کے یہ معنے ہوئے کہ تم میں یا تم پر۔ جس کو ہم نے اُولی الامر بنا کر بھیجا۔ اس کی اطاعت کرو۔ اور اس لفظ کے بڑھانے میں یہ حکمت تھی کہ اگر صرف اولی الامر ہی ہوتا تو یہ

مشکل پڑتی کہ کونسے اولی الامر کی اطاعت کی جائے۔ کیا اگر کسی دوسرے ملک کا بادشاہ کوئی حکم دے تو اُسے بھی ماننا چاہیئے۔ اس مشکل کو دُور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے منکم فرما دیا کہ جو تم پر حاکم ہو اُس کی اطاعت کرنی تمہارا فرض ہے۔ یہ ایک ایسی پُر امن تعلیم ہے کہ اس پر عمل کرنے سے تمام فتنے مٹ سکتے ہیں فتنہ اور فساد کا باعث یہی ہوتا ہے کہ اپنے حاکم کی نافرمانی کی جاتی ہے یا غیر حاکم کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اس لئے فرمایا کہ اے مومنو! تم پر اللہ اور اس کے رسول کی اور اس کی جو تم پر حاکم ہو یا جو تم میں اولی الامر ہو اطاعت فرض ہے۔ اس میں یہ بات بھی بتا دی کہ دُنیا کے ہر ایک اولی الامر کی اطاعت فرض نہیں بلکہ اس کی جس کے ماتحت تم ہو اور جو تم پر حکومت کرتا ہو۔ ہاں اگر کسی اَور کے علاقہ میں چلے جاؤ تو پھر اس کی اطاعت کرنا تمہارا فرض ہوگا۔ یہ ایسی امن کی تعلیم ہے کہ اگر مسلمان اس پر عمل کرتے تو بڑی عزّت اور رُتبہ کے مالک ہوتے لیکن انہوں نے اس کے معنی بدل کر اپنے لئے ذلّت اور رسوائی خرید لی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرّسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر اگر تمہارا کسی بات میں تنازعہ ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف پھیرو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہو۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اولی الامر مسلمان ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ حکم ہے کہ اگر تمہارا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ اس سے پتہ لگا کہ یہاں اولی الامر سے مُراد مسلمان حاکم ہیں کیونکہ اگر مسلمان حاکم ہوگا تب ہی تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو قبول کرے گا لیکن یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ ہم ہی نہیں بلکہ پچھلے مفسّرین بھی اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر تمہارا حاکموں سے جھگڑا ہو جائے تب ایسا کرو بلکہ یہ آپس کے جھگڑوں کے متعلق ہے کہ اگر تمہارا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اسکے رسول کے حکم کے ماتحت کر لو۔ یہ ایک الگ بات ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ نے حکام سے تعلق رکھنے اور ان کی اطاعت کرنے کے متعلق فرمایا ہے اور پھر آپس کے تعلّقات کے متعلق حکم دیا ہے۔ وہ لوگ جن کی اتباع کا مسلمان دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اس کے یہی معنی کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ نواب صدّیق حسن خاں صاحب مرحوم والئ بھوپال نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کے یہ معنے کرنے کہ اے رعایا اگر تیرا حکام سے جھگڑا ہو جائے تو پھر اس اس طرح کرو درست نہیں۔ اور اکثر ائمہ نے ان معنوں کو باطل قرار دیا ہے۔

پس اگر اسی آیت کو لیا جائے تب بھی اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں کسی خاص مذہب یا قوم کے حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ تعلیم عام ہے اور جب عام ہے تو کسی شخص کا حق نہیں کہ اپنے خیال سے اسے خاص کرے اور یہ شرط لگا دے کہ مسلمان حاکم ہو تو اس کی اطاعت فرض ہے ورنہ نہیں۔ آیت میں مسلمان غیر مسلمان کا کوئی ذکر نہیں۔ پس جس مذہب یا جس قوم کا بھی حاکم ہو اس کی اطاعت اس حکم

کے ماتحت ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق دے کہ وہ لوگوں کے دلوں سے ایسے گندے خیالات نکالے کیونکہ اِسلام کی ترقی کے وہی دن ہوں گے جبکہ لوگوں کے دلوں سے ایسے خیالات نکل جائیں گے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے شھداء علی النّاس۔ اس وقت شھداء علی النّاس احمدی جماعت ہی ہے اِسلئے اس کا فرض ہے کہ لوگوں کے ایسے خیالات کی اصلاح کرے اور انہیں سمجھائے جو قرآن کریم کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں قرآن کریم سے سمجھائے۔ جو نہیں انہیں اپنے عمل اور عقل سے بتائے اور انہیں اپنی طرح گورنمنٹ کا مطیع اور فرمانبردار بنائے۔ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو اِس بات کی توفیق دے۔ پھر دوسرے مدعیانِ اسلام کو بھی توفیق دے کہ وہ خدا تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو بدنام کرنے والی تعلیم سے بچیں اور سچی تعلیم پر عمل کریں۔

(الفضل ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۶ء)